سورۃ المدثر پر غور و فکر

ہزاروں برس پیشتر وید میں اس کا ذکر
دیوانِ ہال دہلی میں ایک عظیم الشان مناظرہ

از مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤
وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧ (74:1–7)

ترجمہ :۔ ”اے اوڑھنے والے اُٹھ اور لوگوں کو ڈرا اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ اور ناپاکی سے دور رہ اور اس لئے احسان نہ کر کہ زیادہ ملے اور اپنے رب کے لئے صبر کر۔“

المدثر اصل میں المتدثر ہے ۔ کثرت کلام میں بعض اوقات اختصار آجاتا ہے۔ اس کے معنے کے متعلق لکھا ہے ھوالذی یتدثر ثیابہ لینام، وہ جو اپنا کپڑا لپیٹ لے تاکہ وہ سو جائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ المدثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ مگر یہ نام آپ کا کیوں ہے؟ سونے کے لئے کپڑا اوڑھ لینا اور آرام دہ کیفیت پیدا کر لینا کہ نیند میٹھی اور پُر لطف ہو جائے یہ ایک عام فعل ہے جو ہر شخص کر لیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو کیوں پسند آگئی کہ اسی نام سے آپؐ کو خطاب کر لیا اور کیا وجہ تھی

کہ آپ کو یہ نام دیا گیا؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا ایک روز میں جبلِ حرا میں تھا تو مجھے آواز آئی:۔

یا محمد انک لرسول اللہ

میں نے دائیں بائیں دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔ پھر اوپر کی طرف دیکھا تو زمین و آسمان کے درمیان ایک فرشتہ تخت پر بیٹھا نظر آیا جسے دیکھ کر میں ڈر گیا اور خدیجہ کے پاس آیا اور کہا دثرونی۔دثرونی "مجھ پر سرد پانی ڈالو، اور مجھے کپڑا اوڑھا دو"۔ ایسا ہی کیا گیا تو جبرائیل آپؐ پر نازل ہوئے اور یہ وحی کی: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ، یعنی "اے کپڑا اوڑھنے والے، اٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔"

لوگوں کے طعن و تشنیع سے گھبرانا نبی کی شان سے بعید ہے

ایک اور روایت میں اس کلام کا شانِ نزول یوں مروی ہے۔ روساء قریش ابو جہل، ولید بن مغیرہ، ابو سفیان، نضر بن الحرث، احیتہ ابن خلف۔ عاص بن وائل، ابولہب ایک مجلس شوریٰ میں جمع ہوئے اور کہا حج کا موقعہ قریب ہے لوگ دُور دراز سے یہاں اکٹھے ہوں گے اور محمدؐ بھی ان میں وعظ و تبلیغ کرے گا تو لوگ اس کے متعلق دریافت کریں گے یہ کون ہے؟ کوئی ایک بات طے کر لو، مجنون، کاہن، شاعر یا ساحر۔ آخر ہے کیا؟ اس پر اختلاف آراء ہوا۔ ایک دوسرے کی تردید ہو کر کوئی بات طے نہ ہوئی اور ولید بن مغیرہ خفا ہو کر گھر چلے گئے۔ کچھ سوچ کر ابو جہل مغیرہ کے گھر پہنچے اور ساحر کہنا طے پایا ہے کیونکہ ساحر کا کام باپ بیٹا۔ بیوی خاوند، بھائی بھائی میں تفرقہ اور جدائی ڈالنا ہے۔ اس پر منادی شہر میں کر دی گئی کہ محمدؐ کے دھوکہ میں نہ آؤ، یہ ساحر ہے ساحر۔ جب آنحضرت صلعم نے اس منادی کی خبر سنی تو نہایت غمگین ہوئے اور چادر اوڑھ لی۔ اس پر جبرائیل آپ پر نازل

ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا کلام لائے۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ اے کپڑا اوڑھنے والے غمگین نہ ہو، اٹھ اور ڈرا۔ یہ بھی کہا گیا کہ آپ دن رات تبلیغ قرآن واسلام کے لئے فکر مند رہتے تھے مگر مخالفت اس قدر زبردست تھی کہ حسب منشا کامیابی نظر نہ آتی تھی۔ انہی فکروں میں ایک روز آپ چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تو آپؐ پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

جسے چادر نبوت اوڑھادی گئی اُسے تقویٰ کا لباس بھی پہنا دیا گیا

بعض مفسرین جو مذکورہ بالا شانِ نزول کی روایات کے پیچھے نہیں پڑے انہوں نے لکھا ہے کہ المدثر سے مراد ظاہری چادر اوڑھنے والا نہیں بلکہ وہ جسے چادر نبوت پہنا دی گئی البسه الله لباس التقویٰ وزینه بردا العلم "اللہ تعالیٰ اسے تقویٰ کا لباس پہنا دیا اور علم کی چادر سے مزین کر دیا گیا"، یا آپ کو اخلاق کریمہ کے کپڑے زیب تن کر دیئے گئے اور رحمت کاملہ کی وہ چادر عطا ہوئی جو کل دنیا کو ڈھانپ لے گی۔ سو اُٹھ اور کل دُنیا جہان کو اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے اور ان کو باہر رہنے کے نقصان اور عذاب سے ڈرا۔

المدثر وہ ہے جو اخلاق فاضلہ کے بیج اپنے اندر رکھتا ہے

دنیا کی ہر ایک چیز ایک بیج سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ بیج اس درخت اور شئے کے خواص اور صفات اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایک غلاف کے اندر بالقویٰ وہ درخت موجود ہوتا ہے جو قدرت نے ہر بیج کو اوڑھا دیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم اپنے اندر اعلیٰ درجہ کی استعدادیں، قابلیتیں اور اخلاق فاضلہ چھپائے ہوئے ہیں۔ ان سوئی ہوئی قابلیتوں کو جگا دینا اور اٹھا دینا اس مخالفت پر منحصر ہے جو اسکی کی جارہی ہے اور کی جائے گی۔ آپ اپنے اور تمام اولین اور آخرین کی اعلیٰ صفات رکھتے ہیں جو اپنے موقعہ اور محل پر بروئے

کارآئیں گی۔ سو اٹھو اور اپنی خداداد قابلیتوں کو بروئے کار لاؤ۔

قُم سے مراد عدل وانصاف پر قائم ہونا ہے

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کے پیارے خطاب کے بعد حکم ہوتا ہے قُمْ، یعنی "اٹھ کھڑا ہو"۔ کھڑا ہونا تسخیر اور اختیار دو طرح سے ہوتا ہے۔ اصولِ ارتقاء کی رُو سے انسان کو چار پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے دو پاؤں پر کھڑا کر دیا ہے جس سے اس کی قامت سیدھی ہو گئی ہے اور اس سے اس کا دماغ ہلکا، بلند اور غور و فکر کرنے والا اور اس کی نظر دور تک دیکھنے والی ہو گئی ہے اور وہ کائناتِ عالم پر حکومت کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ سائنٹیفک اصطلاح میں اس کا اٹھنا حیوانات سے بلند ہو کر انسانیت کے درجہ کو حاصل کر لینا ہے لیکن اس درجہ میں بھی اُٹھنا اور ترقی کرنا عدل وانصاف میں بڑھ جانا ہے اور یہاں سے قیام بالعزم یا اختیار سے اٹھنے اور ترقی کرنے کی منزل شروع ہوتی ہے۔ بستر سے اٹھ کر محض سیدھا کھڑا ہو جانا کوئی بڑا کام نہیں البتہ قائم بالقسط ہونا بہت بڑی ہمت اور طاقت کا کام ہے۔ دوست و دشمن سب کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ نہایت مشکل اور ہمت مردانہ کا کام ہے۔ کسی عمل میں کجیٔ خلق نہ رہے اور سیرت کا کوئی گوشہ اور زاویہ کج نہ رہے، جیسے المدثر میں وہ سب صفات مضمر ہیں جو اس لفظ کے لغوی معنی کے تحت مذکور ہوئیں۔ اسی طرح کھڑے ہونے میں محض اٹھ کر کھڑا ہو جانا مراد نہیں بلکہ قُم کے حکم میں اس لفظ کے تمام مشتقات کے معانی موجود ہیں جو قرآن مجید اور لغتِ عرب میں مستعمل اور مروج ہیں۔ پس قُمْ کے حکم میں اپنے منصب پر کھڑے ہو جانا، عزم صمیم کے ساتھ کھڑے ہو جانا، مضبوطی سے ڈٹ جانا، تنہائی اور گوشہ نشینی سے باہر آنا، دعوت الناس میں مشغول ہونا، دنیا کی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کے بارہ میں کامل عدل وانصاف کو کسی صورت میں ہاتھ سے جانے نہ دینا مراد ہے۔

تمہارا منصب دنیا کے لوگوں کو بد اعمال کے نتائج سے ڈرانا ہے

فَاَنْذِرْ ۔ تمام دنیا جہان کے لوگوں کو جن بد اعمالیوں میں وہ غرق ہیں ڈرانا تمہارا منصب مقرر کیا گیا ہے۔ اس کام کو یوں شروع کرو۔ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ(214 :26) تمہارے قریبی، تمہاری اپنی بیوی اور تمہارے نزدیکی رشتہ دار اور دوست، ان کو سب سے پہلے ڈرا کر اپنی چادر رحمت کے نیچے یا شریعت حقہ کے اندر لاؤ اور حلقہ بگوش اسلام بناؤ۔ یہ لوگ تیری نیکی اور نیک چلنی سے زیادہ واقف ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے انہی کو وعظ کرو۔ اپنے آپ کو اور اس کے بعد اپنے اعزا کو بچانا یہ فرض ہے، اس سے کام شروع کرو۔ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (28 :34) ساری کی ساری نسل انسانی کو ان کے اچھے اعمال کے بدلے خوشخبری اور بد اعمال کے بدلے عذاب سے ڈرانا ہی تمہاری رسالت کا مقصد ہے۔

تمہارا دوسرا کام اللہ کی بڑائی کرنا اور شرک کی مذمّت ہے

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ: دنیا جہان کی کسی بڑی سے بڑی ہستی' طاقت اور مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اللہ اکبر کا ایک نعرہ جس سے عرب کے میدان اور وادیاں گونج اٹھیں آپ نے یہ حکم سنا جو اس وقت کی دنیا کے لئے ایک عجیب نعرہ تھا، آپ جوش سے کھڑے ہو گئے اور کہا:۔

اللہ اکبر کبیراً۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔

فکبرت خدیجۃ وفرحت۔ یہ سنا تو خدیجہؓ نے بھی زور سے کہا اللہ تعالیٰ اکبر کبیراً اور خوش ہوئی۔

وعلمت اوحی اللہ الیہ اور اس نے جان لیا کہ یہ اللہ نے اسے وحی کی ہے۔

فَاَنْذِرْ کے حکم کے بعد یہ سوال ہو سکتا تھا کہ کس بات سے لوگوں کو ڈرائیں۔ سب سے پہلے لوگوں کو کچھ کہیں تو کیا کہیں، دین اسلام کا پہلا اور آخری پیغام اور انبیاء عالم کا متفقہ اعلان آخر ہے کیا؟ اس کا جواب ہے: وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر قسم کے شرکاء اسکی ضد اور اس کی نِد۔ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک صفت میں بھی اس کے برابر کوئی نہیں۔ اس کی وضاحت میں فرمایا: اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (2 :16)، "لوگوں کو خبر دار کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، ڈرنا ہو تو مجھ سے ہی ڈرو"۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ: "اپنے کپڑے پاک رکھو"۔ اس میں مجاز اور حقیقت دو پہلو موجود ہیں یا دونوں مجاز ہیں یا دونوں حقیقت یا ایک مجاز ہے اور دوسرا حقیقت۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے کپڑے ہر قسم کی میل کچیل اور نجاست سے پاک رکھو۔ عرب لوگ کشمیری لوگوں کی طرح لمبے چوغے پہنتے تھے جو نیچے سے گندے ہو جاتے تھے جسے کبھی دھوتے نہ تھے۔ یا بعض لوگ آپؐ پر گند پھینک دیتے تھے۔ حکم ہوا کہ کپڑے لمبے نہ پہنو، چھوٹے پہنو کہ زمین پر گھسٹتے نہ جائیں (اس سے امام شافعی نے استنباط کیا ہے کہ نماز کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے)۔ لوگوں کے گند پھینک دینے سے آپ غمگین ہو کر لیٹ جاتے۔ حکم ہوا اٹھو اپنے کپڑے دھولو اور غمگین نہ ہو۔ کپڑوں سے مراد جسم بھی لیا ہے۔ عرب کے لوگ استنجا اور طہارت سے ناواقف تھے۔ پورپین لوگوں کی طرح پانی سے اپنے آپ کو پاک نہ کرتے تھے۔

مجاز یہ ہے کہ جائز اور حلال کی کمائی کا لباس پہنو، اپنا دل اور نیت پاک رکھو۔ قلبك فطهر عن الصفات المذمومة، اپنے اخلاق اچھا بناؤ۔ لوگوں کیساتھ خوش خلقی سے پیش آؤ۔ ان کے ساحر کہہ دینے سے تنگ دل نہ ہو، اس پر کپڑے لپیٹ لینے سے کیا ہو گا۔ اٹھو اور اعلیٰ اخلاق سے اپنے آپ کو سنوارو۔ دشمنوں کے تکلیف دینے پر صبر کرو۔ غم نہ کرو اور انتقام نہ لو۔

بات یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے شروع ہوئی تھی۔ اے کپڑا اوڑھے ہوئے، جو لباس پہنے ہو اسے پاک کرو۔ کفار کی شکایت اور ان پر جزع چھوڑ دو۔ ان کے افتراؤں سے دل تنگ نہ ہو۔ لباس سے نفس کی طرف اشارہ ہو تو تطہیر ثیاب کے معنی حضرت ابن عباس سے مروی ہیں معصیت پر پردہ نہ ڈال، ذنوب سے پاک ہونا بھی کہا گیا ہے۔ عرب **مطهر الثياب** اس شخص کو کہتے تھے جو عہد اور وعدہ پورا کرے۔ لوگوں میں اصلاح کرے اور اچھے عمل کرنیوالے کو **طاهر الثياب** کہتے تھے۔ مراد دونوں معنی ہیں، ظاہر کو پاک رکھنا اسی طرح ضروری ہے جیسے باطن کو پاک وصاف رکھنا اور ہر مسلمان کیلئے یہ دونوں حکم ہیں کہ وہ اپنے لباس ظاہری کو بھی پاک وصاف رکھے اور اپنے باطن کو پاک صاف رکھے اور حکم کا مطلب اس امر پر قائم رہنا چاہئے ہے۔

ہر معصیت سے دور رہو

وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ ناپاکی سے دور رہ یا ہر معصیت سے دور رہو۔ جو امر عذاب کی طرف لے جانے والا ہو اس سے بچو اور ہر امر قبیح سے کنارہ کرو۔ یہ کلام مکارم اخلاق میں جامع ہے۔ مشرکین کے جواب میں بھی ان کے اخلاق استعمال نہ کرو۔ یہ امر عصمت انبیاء کے خلاف نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاق پر مداومت کا حکم ہے جیسے اهدنا کے معنی یہ نہیں کہ ہم ہدایت پر نہیں ہیں بلکہ ہدایت پر ہمیشہ قائم رہنے کا حکم ہے یعنی ہم ہدایت پر ثابت قدم رہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے لیکر وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ تک، یعنی "اے کپڑا اوڑھنے والے اُٹھ اور ڈرا۔ اپنے کپڑے پاک رکھ اور ناپاکی اور میل کچیل سے دور رہ"، ان چھوٹے چھوٹے چند جواہر پاروں میں بتایا یہ گیا ہے کہ انسان فطرتاً شریف اور نیک بنایا گیا ہے، وہ اچھے یا بُرے لباس سے اچھا یا بُرا ہو جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں لفظ "پرسن" (person) جو انسان

کے لئے استعمال ہوتا ہے نہایت بامعنی اور حقیقت افروز لفظ ہے۔ اس کی اصل یونانی لفظ ''پرسونا''(personna) ہے اور اس کے معنی نقاب یا اس مصنوعی چہرہ کے ہوتے ہیں جو ایک انسان کسی کا پارٹ ادا کرنے کے لئے اپنے چہرہ پر پہن لیتا ہے، مثلاً ڈاکو کا، بادشاہ کا، ڈاکٹر کا، فقیر کا، عورت کا یا کوئی اور فرضی بہروپ بھر لیتا ہے۔ انسان کی اصلیت کچھ اور ہے مگر وہ اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے ذریعہ اپنا ایک کیریکٹر اور لباس پہن لیتا ہے۔ اس کے اندر اس کی فطرت میں نیکی اور شرافت کے بے شمار بیج ہیں جن کی نشوونما ہو تو انسان ایک شریفانہ لباس میں نظر آتا ہے۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ میں جہاں یہ حکم موجود ہے کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کرو وہاں یہ مفہوم بھی مضمر ہے کہ انسان اپنے نیک اعمال کے ذریعہ اپنے بنانے والے اور پرورش کرنے والے کی بڑائی اور تکبیر کرتا ہے۔ انسان پر معصیت کا گھنونا لباس اس وقت نظر آتا ہے جب خوبی مطلق کے استعمالی طریقوں میں غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اور انسان اپنی اصل پٹڑی سے نیچے اتر جاتا ہے۔ اگر عیسائیت کے نقطۂ خیال کو لے کر یہ کہدیا جائے کہ انسان ازل ہی سے گنہگار اور ناپاک بنا گیا ہے تو اس کا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہو گا کہ جو بے کچھ کئے گنہگار ہے اسے ہی گنہگار کہا جاتا ہے۔ یہ درست نہیں۔ ہر ایک ہستی اپنی فطرت کے مطابق کام کرتی ہے۔ اس صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں شخص گناہ کرتا ہے یا گنہگار ہو گیا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ اقتضاء فطرت پر کام کرتا ہے۔ جو چیز سیاہ اور کثیف ہے اس پر کوئی داغ نہیں پڑ سکتا کیونکہ وہ بذات خود داغ ہے لیکن جو چیز سفید ہے اس پر ضرور داغ پڑے گا۔ پس انسان کی پرسنیلٹی وہ نقاب اور مصنوعی چہرہ ہے جو انسان کوئی پارٹ ادا کرتا ہوا پہن لیتا ہے۔ اگر لباس اچھا یا پاکیزہ ہے تو شریف کہلاتا ہے۔ یہ امر ہرگز ان معنوں میں درست نہیں کہ خدا نے یا صانع مطلق نے انسان کو ناپاک بنایا ہے۔ صانع اور پھر کیسا صانع جو حکیموں کا حکیم اور نسل انسانی کا کامل بہی

خواہ، وہ انسان کی صنعت میں نقص کیسے رکھ سکتا ہے۔ صنعت دو ہی طرح سے ترکیب پاتی ہے: صانع کی اپنی مرضی سے اور دوسروں کی درخواست سے۔ دونوں صورتوں میں کمال صنعت یہ ہے کہ اس میں کوئی نقص نہ رکھا جائے۔ پس قدرت نے انسان کو مکمل بنایا ہے۔ اگر گناہ فطری ہو تو پھر توبہ اور ندامت یا اعمال کی اصلاح سے فطرتی نقص کیسے دور ہو سکتا ہے؟ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اور وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ یعنی اپنے کپڑے یا اعمال پاک رکھو اور گند سے دور رہو، معصیت کے نزدیک نہ جاؤ۔ اس سے تمہارے رب کی بڑائی ہو گی اور وہ حمد کا مستحق ٹھہریگا۔

احسان کو ذریعہ تجارت نہ بناؤ

قرآن مجید میں دوسری جگہ دشمنوں کے بالمقابل غضب کو دبانے کا حکم ہے۔ اس کے بعد ان کی خطاؤں سے درگزر کا درجہ اور آخری درجہ کمال محسنین کا ہے جو کسی کی خطا پر غضب کو ہی نہیں روکتے بلکہ اس کا قصور معاف کر دیتے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس پر احسان بھی کرتے ہیں (3: 134)۔ احسان سے پہلے عدل کا درجہ ہے۔ ہر امر مذہبی قومی اور سیاسی میں اعتدال سے گذرنا اپنی جان کو اور قوم کی جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ یہ ایک نیکی ہے مگر ادنیٰ درجہ کی۔ قرآن مجید نے خیر میں عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ، تین درجے مقرر کئے ہیں (16: 90)۔ عدل نیکی کا پہلا اور ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد احسان ہے اور تیسرا درجہ کمال ایتاء ذی القربیٰ ہے جو ایسا احسان ہے جو بغیر نیت احسان کے قریبی بیٹے وغیرہ سے کیا جاتا ہے۔ پس تیسرا مرتبہ یہ چاہتا ہے کہ نیکی انسان میں فطری خواہش کی طرح بن جائے۔

ایک کام کو انسان جب بار بار کرتا ہے تو آخر ہوتے ہوتے وہ اس کی طبیعت کا جزو ہو جاتا ہے اور انسان احسان کو تکلف سے نہیں یا بڑا کام سمجھ کر نہیں کرتا۔ یہاں وَ لَا

تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (''اوراس لئے احسان نہ کر کہ زیادہ ملے'') میں کئی ایک لطیف نکات ہیں، مثلاً ایک یہ کہ اسے بڑا کام نہ سمجھو بلکہ عادت کے طور پر اختیار کرلو۔ اس کا احسان خدا پر نہ دھرو کہ ہم نے کسی پر احسان کیا ہے۔ اسے جتانے سے باز رہو، اس سے دوسرا شخص شرمندہ ہوتا ہے۔ یہ امید نہ رکھو کہ اس کے بدلہ میں دوسرا بھی احسان کرے یا تجارتی رنگ میں احسان نہ کرو کہ منافع ہو، دوسری طرف سے زیادہ فائدہ پہنچے۔ احسان مالی ہو یعنی آپ نے کسی کی مدد کی ہے یا اور کوئی نیکی اس سے کی ہے یا تبلیغ وہدایت کی ہے محمد رسول اللہ صلعم کو حکم ہے کہ قرآن پہنچانا ہے تو کثرت ثواب ملنے کی نیت سے یہ کام نہ کرو۔ ہدایت دے کر دنیا کا مال ملنے کی توقع رکھنا خسارہ کا سودا ہے۔ اپنا فرض منصبی سمجھ کر تبلیغ کرو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مال لو، بیوی لو، حکومت لے لو مگر تبلیغ چھوڑ دو۔ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ، یعنی تجھے چاہیئے کہ رب کے لئے صبر کرو۔ تیرے لئے تیرا رب کافی ہے۔

احسان ایک اختیاری فعل ہے

اس میں شبہ نہیں کہ عدل اور احسان میں فرق ہے۔ احسان ایک اختیاری فعل ہے، عدل کی طرح یہ فرض عین نہیں لیکن انسانیت احسانات سے ہی وابستہ ہے۔ عدل فرض عین ہے اور احسان اختیاری ہے۔ عدل ضرورت پر موقوف نہیں، اس کا پورا کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ احسان میں ضرورت مقدم ہے، جو لوگ مستحق ہوں ان کے ساتھ احسان کیا جائے۔ غیر مستحق کے ساتھ احسان کرنا مستحق کے ساتھ ناانصافی ہے، کاہل کی مدد کر کے اسے کاہل تر بنانا ہے اور محنتی کا حق مارنا ہے۔ ایک شخص اپنے قریبیوں کو چھوڑ کر دوسروں پر خیرات کرتا ہے وہ اپنے قریبیوں کو محتاج تر بناتا ہے۔ قریبیوں کا ہمارے اوپر پہلا حق ہے۔

احسان سے اطمینان قلب ملتا ہے

صحت، محبت، عاقبت، قابلیت، دولت اور شہرت کو دنیا میں اطمینان قلب کی چیزیں سمجھا جاتا ہے مگر سب سے بڑی دولت خود اطمینانِ قلب ہے۔ صحت اور قابلیت بہت لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ دولت بھی ایک مشترک چیز ہے، شہرت کی بھی کمی نہیں۔ مگر اطمینان قلب اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے لئے خاص ہے۔ ایک دانا آدمی کی دُعا ہے:

> "Heap worldly gifts at the feet of foolish men. Give me the gift of an untroubled mind."

> "بیوقوف لوگوں کے قدموں میں دنیا کے مال و دولت کے انبار جمع کر دے۔ مگر مجھے نفسِ مطمئنہ عطا فرما۔"

دوسروں کے ساتھ احسان کرنا اور پھر خدا اور مخلوقِ خدا سے اس کے معاوضہ کی امید نہ رکھنا حقیقی محبت کا ایک بلند ترین مرتبہ ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مذہبی مناد دوسروں کے واقعات ادا کرنے پر زور دیتے ہیں اور انسان کے اپنے نفس کے حقوق کے متعلق بہت کم بیان کرتے ہیں۔ نفسیات جدید کی ایک عظیم ترین دریافت یہ ہے کہ انسان کا اپنے ساتھ معاملہ اور سلوک دوسروں کے ساتھ برتاؤ کی نسبت زیادہ پیچیدہ ہے۔ عیسائی مذہب کا بڑا حکم یہ ہے کہ:

> "تو اپنے پڑوسی سے ویسی ہی محبت کر جیسا تو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے"

مگر اس کی بہترین تشریح یہ ہے کہ:

> "تو اپنے آپ سے مناسب محبت کر، تب تو اپنے ہمسایہ سے محبت کر سکے گا۔"

"میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اپنے سے زیادہ محبت کریں اس سے پیشتر کہ آپ دوسروں پر اپنی محبت کا اسراف کریں۔"

بظاہر یہ ایک خطرناک اصول معلوم ہوتا ہے کیونکہ انسان ہمیشہ دوسروں کی نسبت اپنے آپ سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اپنے جسم کا درد جس شدت سے انسان محسوس کرتا ہے دوسرے کے زخم کا درد محسوس کرنے کے اعصاب بہت کم ملے ہیں۔ مگر اس اندازہ میں ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور وہ بھی جو اپنے آپ سے کم محبت کرتے ہیں اور ایسے افعال کے عادی ہو جاتے ہیں جو انہیں جسمانی اور روحانی موت تک لے جاتے ہیں۔ ہر ایک وہ گناہ جو انسان سے سرزد ہوتا ہے وہ اپنے ساتھ کمی محبت نہیں بلکہ اپنے آپ سے دشمنی کا ایک واضح ثبوت ہے۔

بیشتر لوگ اپنی دوہری شخصیت کی دو الگ الگ تصویریں مختلف کمروں میں لٹکاتے ہیں۔ ایک کمرہ میں ان کی نیکیوں کی روشن اور شوخ رنگ میں تصویر آویزاں ہوتی ہے اور دوسرے میں اپنے آپ کو ناکام اور نالائق قرار دیتے یا ان کی تاریک اور سیاہ کینوس کی تصویر لٹکتی ہے۔

احسان کرنے کے بعد اس کے معاوضہ کی خواہش، جو لوگوں سے اکثر اور بیشتر نہیں ملتا، یا خالص روحانی اطمینان قلب جو دوسروں سے اجر اور معاوضہ کی توقع کے بغیر احسان کرنا ہے یہ وہ چیز ہے کہ جو انسان کی قیمت کو بے حد گراں کر دیتی ہے۔ يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے ماتحت انسان کو بے حد روحانی اور اخلاقی خوبیوں کی خام جنس دی گئی ہے جسے دھونا، صاف کرنا اور بیش قیمت بنانا انسان کے اختیار میں ہے۔ یہ ایک عظیم الشان وسیع مضمون ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کے بلند روحانی مدارج کو بیان کرتا ہے، نہ صرف اس وقت جب آپ مبعوث ہوئے بلکہ دنیا کی ابتداء سے محمد رسول اللہ صلعم ایک در یتیم تھا جو سیب کے

سیدھے سادے خول کے اندر ملفوف تھا۔ اس سیب کو کھول کر اس موتی کی آب و تاب دنیا کو دکھانا یہ مسلمانوں کا اولین فرض تھا۔ مگر مسلمانوں نے اپنی پہلی تین صدیوں میں تمام علوم یونانی طب، منطق، فلسفہ اور ہندوستان کی کہانیوں اور نجوم کو عربی میں ترجمہ کر کے عربی ادب کو مالا مال کر دیا۔ مگر انہوں نے مذہبی علوم اور مقدس کتابوں کی طرف بہت کم توجہ دی کہ جن میں بانیانِ مذاہب کی سیرت اور کردار کا ایک بیش بہا ذخیرہ تھا اور اسی میں محمد رسول اللہ صلعم جیسے ایک عظیم الشان انسان کے آنے کی پیشگوئیاں موجود تھیں۔ اسی یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کی سورت کو پڑھیئے، اور دوسری طرف وید کے منتروں کا مطالعہ کیجیئے جن میں ہزارہا برس سے وہی بات لفظ بلفظ، نقطہ بہ نقطہ، اور معنی بہ معنی مطابقت رکھنے والی حقیقت کا اظہار تھا۔

اس موضوع پر 1944ء میں ایک عظیم الشان مناظرہ دہلی میں ہو چکا ہے جس کی روئداد 'پیغام صلح'، 16 فروری 1944ء (صفحہ 8) سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

دارالحکومت دہلی کی "جنگِ مُقدس" میں ملائکۃ اللہ کا نزول

مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی کا ایمان افروز مناظرہ

اور ویدوں میں سرورِ عالمؐ کا ذکرِ مبارک۔

اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ۔

("کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تین ہزار اُتارے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد کرے؟" آل عمران، سورۃ 3، آیت 124)

دہلی میں گزشتہ ایام میں "مہایگیہ" ہو رہا تھا۔ ہندوستان بھر کے نامی گرامی پنڈت جمع تھے، اسی دوران میں آریہ سماج کا عظیم الشان سالانہ اجتماع منعقد ہو رہا تھا، آریہ سماج نے اپنے

جلسہ سالانہ کے اشتہار میں تمام مذاہب کو مناظرہ کا کھُلا چیلنج دیا، احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام دہلی نے یہ چیلنج منظور کیا اور چاہا کہ اس موقعہ پر جب کہ ہندوستان بھر کے ویدک دھرمی فضلا کا دارالحکومت دہلی میں اجتماع ہو رہا ہے، ہندوستان کے اس مرکز میں ہی پہلی مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق اس قوم پر قطعی اتمام حجت کر دی جائے۔ مضمون مباحثہ یہ طے ہوا، کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وید کی پیشگوئیوں سے ثابت ہے"۔ اور 5 فروری کی شب کو دیوان ہال دہلی میں ہزارہا کے مجمع میں یہ مباحثہ شُروع ہوا۔ مولانا سیّد اختر حسین صاحب گیلانی نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے صدارت کرتے ہوئے نہایت احسن پیرایہ میں بتایا کہ اگر اس مباحثہ میں ہم یہ ثابت کر دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ویدوں میں پیشگوئی موجود ہے تو ویدک دھرمیوں پر اتمام حُجّت ہو جاتا ہے۔ اور ان کے لئے اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا، لیکن اگر ہم ایسا ثابت نہ کر سکیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آتا، صرف ہمارے دلائل میں سے ایک دلیل غلط قرار پاتی ہے، سیّد صاحب نے بتایا کہ قُرآن کا حکم ہے کہ حکمت اور موعظہ حسنہ سے تبلیغ کی جائے اور اہل اسلام سے اپیل کی کہ قُرآن کے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دوران مباحثہ میں کسی قسم کا دلآزار نعرہ نہ لگائیں اور ہمہ تن گوش ہو کر اس گفتگو کو سُنیں۔

جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی صاحب نے اپنی فاضلانہ تقریر میں فرمایا کہ اتھروید میں یہ پیشگوئی موجود ہے کہ: نراشنس (جس کے معنی محمد ہیں) سانڈنی سوار رشی ہو گا، حالانکہ ویدک رشیوں کو سانڈنی کی سواری کی ممانعت ہے۔ یہ ممانعت اسی لئے ہے کہ یہ پیشگوئی ملتبس نہ ہو جائے۔ "**یہ رشی اپنے ہزارہا دُشمنوں کے اندر محفوظ رہے گا۔**" یعنی وَ

اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (''اور اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا''، المائدہ، سورۃ 5 ، آیت 67)۔ اس کے ساتھ 100، صحابہ (مہاجرین حبش) ہوں گے۔ عشرہ مبشرہ ہوں گے، 300 جاں نثار (اصحاب بدر) ہوں گے، دس ہزار (فتح مکہ کے وقت) قدوسی ہوں گے، وہ تعریف کیا جائے گا، اسے خُدا سوتے سے جگا کر حکم دے گا کہ اُٹھ، لوگوں میں تبلیغ کر اور اپنے رب کی بڑائی کر یعنی: یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۟ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡ۔ ویدک رشی نے اس پیشگوئی کے آخر میں دُعا کی ہے کہ وہ (محمد صلعم) ہماری نعت کو قبول کرے اور ہمارے حق میں دُعا کرے وغیرہ۔

مُقابل پر آریہ سماج کے فاضل پنڈت ویاس دیو جی شاستری بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی۔ مناظر تھے۔اور پنڈت رام چندر جی آریہ سماج کی طرف سے صدر تھے، جناب مولانا عبدالحق صاحب کے دلائل کے جواب میں پنڈت ویاس دیو جی نے بہت ہی ایچاپیچیاں کیں مگر مولانا نے ان کی تمام پیدا کردہ الجھنوں کو صاف کر دیا۔ اور چیلنج کیا کہ تمام ہندو تاریخ میں مامح رشی کوئی نہیں ہوا۔ اگر ہوا ہے تو پیش کیا جائے۔ آریہ سماجی مناظر وید کی اس پیشگوئی کو کسی اور رنگ میں پیش کرنے سے اخیر دم تک عاجز رہا۔

اجمیر کے نسخوں میں تحریف

اس مناظرہ میں بہت سے امور ثابت ہوئے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح یہود و نصارےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اپنی کُتب سے محو کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح کا سلسلہ ہندو قوم بھی جاری ہے، آریہ سماج کی بد قسمتی سے آریہ سماجی مناظر پنڈت ویاس دیو جی نے یہ کہہ دیا کہ جو وید میرے پاس ہے اس میں ''ایش رشیئے ما محے'' نہیں ہے بلکہ ''ایش ایشائے ما محے'' لکھا ہے۔ جناب مولانا نے ویدوں کے مختلف نسخوں پر فاضلانہ تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ خود آریہ سماج کا شائع کردہ

ہے، مشہور آریہ سماجی مفسّر وید پنڈت راجہ رام جی اسی نسخے کو صحیح سمجھتے ہیں، بمبئی کے نسخہ میں بھی یہی الفاظ ہیں اور جرمنی کے نسخہ میں بھی یہی الفاظ ہیں مگر جو نسخہ آریہ سماجی مناظر پیش کر رہے ہیں وہ اجمیر کا چھپا ہوا ہے جس کی تائید کسی دوسرے نسخہ سے نہیں ہوتی، پنڈت جی کو چاہئے کہ وہ اس نسخہ کی تطبیق کسی اور نسخہ سے کر دکھائیں ورنہ دنیا گواہ ہو گی کہ اجمیر کے نسخہ میں محض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو ملتبس کرنے کے لئے الفاظ بدل دیئے گئے ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (''بعض کلمات کو ان کی جگہوں سے تحریف کرتے ہیں'' — النساء، سورۃ 4، آیت 46)

پنڈت جی نے اسکے جواب میں کہا کہ وید کے نسخوں میں کسی نے شرارت کر دی ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ شرارت کس نے کی؟ یہ آریہ سماجیوں ہی کی شرارت ہے جنہوں نے وہ نسخہ ہائے وید شائع کیئے جو اس وقت میں تائید میں پیش کر رہا ہوں۔ پنڈت جی کے پاس اس امر کا کوئی جواب نہ تھا۔

عربی زبان کامل زبان ہے

دوران مناظرہ میں بعض الفاظ پر بحث کے دوران میں آریہ سماجی مناظر نے جب یہ کہا کہ سنسکرت میں حاء اور ھا دونوں کے لئے ھا ہی سے کام چل جاتا ہے، تو جناب مولانا عبدالحق صاحب نے ایک عالمانہ بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے کامل زبان وہ ہو سکتی ہے جو حلق کے آلہء صوت کو پورے پورے طور پر استعمال کرے۔ قدرت نے حلق کی ایسی تخلیق کی ہے کہ اس میں حاء اور ھا کا فرق نمایاں نظر آتا ہے، سنسکرت میں 56 حروف تہجی ہونے کے باوجود سنسکرت نے آلہء صوت کا پورا استعمال نہیں کیا، عربی میں 28 حروف تہجی سے اتنا کام لیا گیا ہے کہ تمام آلہء صوت کا استعمال ہو جاتا ہے۔ یہ عربی زبان کے کامل ہونے کا ایک بدیہی ثبوت ہے۔

جناب مولانا عبدالحق صاحب ودیارتھی نے بار بار اس پیشگوئی کو پڑھ کر سنایا، پنڈت ویاس دیو جی باوجود اپنے دعوئے علم و فضل کے اس موضوع پر کچھ بھی بیان نہ کر سکے، اہلِ اسلام کی روحیں وجد کر رہی تھیں، اور سب پیغمبر خُدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں مصروف تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ حقیقت جسے اللہ تعالیٰ نے "نزول ملائکہ" کے الفاظ میں تعبیر کیا ہے، جس کا نظارہ مسلمانوں نے زمانہ نبوی کے غزوات میں دیکھا تھا، اس وقت مشاہدہ میں آرہی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ (مرزا غلام احمد صاحب) نے اس دور میں اہل اللہ کے غیر مسلموں سے مباحثہ کو بھی جنگِ مقدس قرار دیا ہے۔ دہلی کی اس جنگ مقدس میں بھی نزول ملائکہ کو مسلمانوں نے مشاہدہ کیا۔ جبکہ ایک طرف جناب مولانا عبدالحق صاحب اکیلے تھے، اور دوسری طرف ایک کثیر تعداد فضلائے سنسکرت کی موجود تھی، لیکن آسمان یہی ندا آئی کہ "**الحق فی آل محمد**"۔

(از رسالہ 'روحِ اسلام'، لاہور، جون 1956، صفحہ 39 تا 47۔ اصل مضامین میں قرآن کریم کی جن آیات کا ترجمہ موجود نہیں تھا، ہم نے یہاں انکا ترجمہ بریکٹس میں ڈال کر شامل کر لیا ہے۔ نیز ہر آیت میں اعراب بھی ڈال دیئے ہیں۔)

اضافہ

(نوٹ از مرتب: رسالہ 'روحِ اسلام' کے مندرجہ بالہ مضمون کے آخر میں اخبار 'پیغام صلح' سے جس خبر کو شامل کیا گیا ہے، 'پیغام صلح' میں اس خبر میں ایک مزید اختتامی عبارت ہے جو ہم ذیل میں دیتے ہیں۔)

"مناظرہ ختم ہونے سے پہلے مولانا سیّد اختر حسین صاحب گیلانی نے اہلِ اسلام سے پُرجوش اپیل کی کہ اختتام جلسہ پر مسلمان اپنے جوشِ مسرت سے مجبور ہو کر کسی قسم کا نعرہ نہ لگائیں جس سے ہمارے ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ ہو اور اطمینان سے ہال سے نکل

جائیں۔ جناب مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی کے طرزِ استدلال، آپ کی نیکی اور شرافت اور جماعت احمدیہ کے منتظمین کے شریفانہ رویہ کا ہندو طبقہ پر نہایت گہرا اثر ہوا، اور اہلِ اسلام کے قلوب میں تو ایمان اور عرفان کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگ گیا۔ مذہبی دنیا کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا مناظرہ تھا جو ہندوستان کے دارالحکومت میں دیکھنے میں آیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔"

(نوٹ از مرتب: 'پیغام صلح' کے اسی صفحہ پر اسی تعلق میں ایک اور خبر بھی ہے جس کو قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔)

ثقافت اسلامیہ کا مقصد وحدت بشری کا قیام ہے۔
مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی کی تقریر ایک دعوتِ عصرانہ میں

مناظرہ دہلی کے دوسرے دن ہمارے دوست جناب پروفیسر شیخ عماد الدین صاحب نے جناب مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی کو "ایٹ ہوم" (At Home) دیا، جس میں بعض مسلم اور غیر مسلم، پروفیسر صاحبان اور دیگر معززین مدعو تھے اور اپنی جماعت کے بھی اصحاب شامل تھے۔

مولانا عبد الحق صاحب ودیارتھی نے اس موقعہ پر ایک نہایت فاضلانہ تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ کلچر دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو تصادم سے اپنا سکّہ جماتا ہے دوسرا وہ جس کا مقصد بجائے تصادم کے اتصال ہوتا ہے، جو شخص یہ کہے کہ صرف اسی کے مذہب میں صداقت ہے وہ غلط کہتا ہے، موجودہ تحقیقات نے بتایا ہے کہ تمام دنیا کی اقوام میں ایسے لوگ آئے جنہوں نے اخلاقی و روحانی بہتری کے لئے من جانب اللہ تعلیم پیش کی، جاپان

، چین، ہندوستان، مصر، ایران، یونان، جرمنی، سکنڈے نیویا، وغیرہ کی مذہبی کتب دنیا کے سامنے آچکی ہیں۔ ان سب بانیانِ مذاہب کے دُعاوی، باوجود زمانہ، زبان اور اقوام کے اختلافات کے، ایک ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کسی سازش کا نتیجہ نہیں۔ تمام قوموں میں توحید کا اصول مشترک نظر آتا ہے۔ لیکن ہر قوم نے توحید کو ناقص رنگ میں مانا، مثلاً یہ کہ یہواہ (Jehovah) صرف اسرائیل کا خُدا ہے۔ یہی تصور دیگر اقوام کا (اپنے خدا کے متعلق) ہے، مگر اسلام نے الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اس تصور کو عالمگیر کر دیا۔ اور سب قوموں میں اتصال پیدا کیا، اس سے وحدت نسلِ انسانی کا تصور نمایاں ہوا۔ اسلام آیا تا کہ تمام اقوام کے لئے مقامِ اتصال ثابت ہو۔ یہ بھی ایک خاص امر ہے کہ تمام اقوام کے انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئی کرتے رہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب قوموں کے انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس لئے اسلام کے عروج سے مراد اقوام عالم کے اتحاد کا قیام ہے۔ یہ مقصد کسی اور کلچر سے حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا نے اپنے بیان کی تائید میں نہائیت واضح دلائل دیئے۔

جناب پروفیسر عماد الدین صاحب کی طرف سے حاضرین کی تواضع چائے اور شیرینی سے کی گئی، جس کے دوران میں حاضرین نے مختلف امور پر سوالات کئے جن کا جواب مولانا نے عالمانہ رنگ میں دیا، اور یہ پُر لُطف مجلس دو گھنٹے تک قائم رہی۔

('پیغام صلح'، 16 فروری 1944ء صفحہ 8، کالم 4)